فلسفۂ اقبال: ڈاکٹر جاوید اقبال کی نظر میں

Iqbal's Philosophy: In View of Dr. Javed Iqbal

زاہد احمد، لیکچرار اردو، گورنمنٹ کالج بھاگٹانوالا

Abstract

Dr.Javed Iqbal has attested the truthfulness of Iqbal s ideology in the light of contemporary philosophical theories. He has perfectly analyzed metaphysical, ethical and aesthetical thoughts of Iqbal. He is of the view that the central point of Iqbal's ideology is KHUDI (self) and his all other thoughts revolve around it. He refuted all allegations against him with rational approach.

Keywords: .Javed Iqbal, Allama Iqbal, Khudi, Philosophy, Rational ism

گورنمنٹ کالج لاہور سے گہری علمی، فکری اور ثقافتی وابستگی رکھنے والے ڈاکٹر جاوید اقبال ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۵ کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفے کے مضمون میں امتیازی حیثیت سے ایم۔اے کیا۔ اپنے والد علامہ اقبال کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہوں نے بھی انگلستان سے بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے علامہ اقبال کی شاعری اور نثر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا؛ دنیا بھر میں ان کی پہچان ایک جدید روشن خیال انسان کی حیثیت سے تھی انہوں نے اپنے والد کی سوانح عمری ''زندہ رُود'' کے نام سے شائع کی اور اس میں علامہ کے بارے میں پھیلائی جانے والی بہت سی افواہوں اور غلط فہمیوں کی تردید کی؛ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح علامہ اقبال اپنے زمانی تقاضوں کے مطابق اجتہاد کی بات کرتے تھے دور حاضر میں بھی بہت سے امور ایسے ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔ یہی نہیں ان کے خیال میں اجتہاد کا اصول سدا زندہ رہنے والا اصول ہے۔ اس کی مدد سے ایسے معاملات جن پر کوئی واضح حکم موجود نہیں اجتہاد کے مخصوص اصولوں کے مطابق ان پر قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتب میں، ''خطبات اقبال تسہیل وتفہیم'' ''(افکار اقبال) تشریحات جاوید''، ''زندہ رُود''، ''اپنا گریبان چاک''، ''مے لالہ فام''، ''اقبال اور ندرت فکر'' اور ''شذرات فکر اقبال'' کو خاصی شہرت حاصل ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے فلسفیانہ تصورات کی روشنی میں فکر اقبال کا جائزہ لے کر اس کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان میں حقیقی اقبال شناسی کو فروغ حاصل ہو۔ ہمارے دانشور اپنے زمانے کے نظریات کی روشنی میں کلامِ اقبال اور خطباتِ اقبال کو پرکھیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ علامہ کے

فلسفے اور علمیاتی مباحث کو حقیقی معنوں میں سمجھا جا سکے گا۔ علامہ اقبال کے افکار بوقلموں جہتوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ان کے بارے میں غیر سنجیدہ اقبال شناسوں نے بے جا تنقید کی ہے۔ان کے فکر و فلسفہ کو ایسے نقادوں نے چیستان بنانے کی کوشش کی ہے جو علامہ کو اپنے مقاصد کی روشنی میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔کون نہیں جانتا کہ علامہ اقبال اپنے زمانے کے فکر و فلسفہ پر عبور رکھنے والی ایک غیر معمولی شخصیت تھے۔ان کے تصورات،موضوعات کے پھیلاؤ اور وسعت کی وجہ سے ان کے کلام سے اپنی مرضی کی تعبیریں حاصل کرنے والے نقادوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ اقبال کا ایک کُل کی حیثیت سے جائزہ لیتے۔ڈاکٹر جاوید اقبال فکرِ اقبال کو ایک ایسے آئینے کی صورت سمجھتے تھے جس میں جھانکنے والے اپنے خیالات کو اس میں منعکس دیکھ سکتے تھے لیکن اقبال کی تفہیم کے لیے اس آئینے کے جوہر تک رسائی بہت ضروری ہے تاکہ ان کے فکر کے بارے میں پھیلائے ہوئے افسانوں اور اصل حقیقتوں میں فرق روا رکھا جا سکے۔ڈاکٹر جاوید اقبال سمجھتے تھے کہ علامہ نے ملت اسلامیہ کو جو فلسفیانہ پیغام دیا وہ کوئی معمہ نہیں تھا۔علامہ اقبال فلسفیانہ موشگافیاں کرنے والے انسان نہیں تھے۔ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ اقبال کی تفہیم و تسہیل کے معاملات پر پوری سنجیدگی سے توجہ دی۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے ''خطباتِ اقبال: تسہیل و تفہیم'' کے پیش لفظ میں علامہ اقبال کے معاصرین (سید سلیمان ندوی،سید ابوالحسن علی ندوی،مولانا حسین احمد مدنی،) دوسری نسل (سلیم احمد،برہان احمد فاروقی) تیسری نسل (محمد سہیل عمر،الطاف احمد اعظمی) اور بعض مستشرقین کے اعتراضات کو دیانتداری سے پیش کیا ہے اور ان کے تسلی بخش جواب بھی دیئے ہیں۔مثلاً ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے علامہ اقبال کے تصور وجدان اور وحی کے سلسلے میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے ان میں کوئی معیاری فرق روا نہیں رکھا بلکہ اقداری فرق کیا ہے یعنی اقبال کے نزدیک وحی اور وجدان میں کیفیت کی بجائے صرف کمیت کا اختلاف ہے۔اس اعتراض کا جواب اقبال کے فکر کی تفہیم کرنے والوں نے منطقی اور عقلی انداز سے دیا ہے۔مثلاً ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے ایک اعتراض کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر فاروقی کی نگاہ میں اقبال کے خیالات میں الجھاؤ کا سبب پیغمبرانہ وحی کو صوفیانہ واردات اور شاعرانہ القا پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا،لیکن ان کا اعتراض درست نہیں۔اقبال وحی،کشف اور القا کو ان معنوں میں مذہبی تجربہ قرار دیتے ہیں کہ اس علم سے انسان کی حقیقت مطلقہ تک رسائی ممکن ہے،مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ درجات کے اعتبار سے اقبال پیغمبر،ولی اور شاعر کو ایک ہی سطح پر کھڑا دیکھتے ہیں،قطعی غلط ہے۔''(۱)

ڈاکٹر جاوید اقبال نے ''خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم'' جیسی کتاب لکھ کر اپنے عہد کے فکر و فلسفہ کی روشنی میں اقبال کو روحانی طور پر زندہ رُود ثابت کیا ہے۔ان سے آئندہ نسلیں اسی طرح فیض پائیں گی جس طرح اقبال نے مولانا روم کے افکار سے پایا۔اس کتاب میں علامہ کے ساتوں خطبات کا فلسفیانہ اور مابعد الطبیعیاتی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال نے گورنمنٹ کالج،لاہور میں حاصل کی گئی فلسفے کی تعلیم کو رائیگاں نہیں جانے دیا۔

وجودِ باری تعالیٰ کو ثابت کرنے کے لئے اقبال نے دو دلیلیں پیش کی ہیں ذاتی دلیل کی بنیاد انھوں نے عشق (وجدان) پر رکھی تھی۔وہ نبی کریمﷺ کو انسان کامل سمجھتے تھے فرماتے ہیں کہ نبی کریمﷺ کو ان کے سخت ترین دشمن بھی صادق اور امین سمجھتے تھے۔اگر حضورﷺ نے کہہ دیا کہ خدا ہے تو اس کو ثابت کرنے کے لئے یہی کافی ہے۔فلسفیانہ دلیل مولانا روم سے متاثر ہو کر قائم کی ہے۔مولانا کے مطابق حق وہی ہے جسے دماغ اور حواس کے ساتھ ساتھ دل بھی قبول کرے اقبال کے خیال میں بھی عقل،مشاہدہ اور وجدان تینوں ذرائع علم ایک دوسرے کی تائید یا تصدیق کریں تو خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے۔اقبال نے خدا کو خودی مطلق قرار دیتے ہوئے شخصیت خالص قرار دیا۔اس پر اہم اعتراض یہ تھا کہ کسی ذات کو شخصیت کہنے سے محدود ہونے کا تصور ذہن میں آتا ہے۔اقبال نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت قرآن کریم کی آیت ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے'' سے کی ہے۔خدا کو اپنے نام اللہ سے پکارا جانا پسند ہے مطلب یہ کہ وہ خود کو ایک اصول یا ''عنصر'' کی بجائے ''شخصیت'' تصور کرتا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

> ''اقبال کے نزدیک اللہ کو شخصیت خالص ہونے کی حیثیت سے محدود کہنا درست نہیں۔البتہ اسے جسم کے بغیر ایک مخصوص اور متعین وجود کہا جا سکتا ہے۔اس سے گلہ شکوہ کیا جا سکتا ہے۔اس سے جھگڑا کیا جا سکتا ہے۔اس سے گڑ گڑا کر مانگا جا سکتا ہے۔وہ سب سنتا ہے، دیکھتا ہے اور دیتا ہے اقبال کے ہاں انسان کے رائندہ درگاہ ہونے کا تصور تو موجود ہے۔مگر منکرِ خدا کا تصور موجود نہیں۔''(۲)

> ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال ہے کہ اقبال کے نزدیک خدا خودی مطلق ہے اور اس سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اقبال کے ہاں انفرادی خودی تو اجتماعی خودی کے لیے سب کچھ قربان کر سکتی ہے۔مراد ہے فرد کی جماعت یا ملت کے لئے قربانی لیکن خدا یا خودی مطلق سے وصال کی صورت میں وہ فنا نہیں ہوگی بلکہ خدا سے اپنا فاصلہ برقرار رکھے گی۔اسی لیے اقبال فراق کو وصال پر ترجیح دیتے ہیں اور اس مرحلہ شوق کو طے کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔گویا فنا فی اللہ کی بجائے بقا باللہ کے قائل ہیں۔(۳)

> اقبال کے مطابق خدا کائنات کی تخلیق کے لئے جواہر خودی کو عدم سے وجود میں لاتا چلا جا رہا ہے۔کائنات جامد یا بے حس نہیں ہے بلکہ اس میں وسعت کی گنجائش موجود ہے اور ہر لحظہ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔کائنات کی ابتداء سے متعلق اقبال کا تصور اشاعرہ کے قریب ہے اقبال کے ہاں انسان کے خدا کی ذات میں فنا ہونے کا کوئی تصور نہیں ہے وہ انسان کی تخلیقی صلاحیت کو بہت اہمیت دیتے ہیں ان کے نزدیک تو انسان کے کیے گئے گناہ کی بھی اپنی اہمیت ہے وہ تخلیقی نوعیت کے گناہ کو بھی ثواب کی صورت سمجھتے ہیں۔(۴)

اقبال نے قرآنی آیات کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ کائنات کی تخلیق کا عمل خدا کے لئے محض کھیل نہیں ہے بلکہ یہ بامقصد ہے اور اس کی ترکیب میں مزید اضافے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔اقبال نے انسانی خودی کے اختیار کے متعلق خدا کی تخلیقی فعلیت کے دو پہلوؤں خلق یعنی پیدا کرنا اور امر بمعنی ہدایت کا ذکر کیا ہے قرآن مجید میں واضح ہے کہ دونوں قسم کی تخلیق خدا کے ہاتھ میں ہے۔اور اسلامی تعلیمات کا مقصد ہی یہی ہے کہ آزادی واختیار کی قدرت خودی کی زندگی کا ایک مستقل عنصر بن جائے اقبال کے مطابق حیات بعدالموت انسان کا حق نہیں ہوگا بلکہ اسے خود کو اس کا مستحق بنانا پڑے گا اور ایسا صرف جہدِ مسلسل سے ہی ممکن ہو سکے گا(۵)

ڈاکٹر جاوید اقبال فکر اقبال کے ایک دلچسپ پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فکر اقبال کا ایک دلچسپ پہلو انسان کی تخلیق اور خدا سے اس کا تعلق ہے اقبال کا انسان مسلسل پیچ وتاب کھاتا ہوا متجسس، بے تاب، بے چین اور بے قرار ہستی ہے اقبال اسے خدا کی طرح مگر محدود حد تک ایک تخلیقی فعلیت سمجھتے ہیں اسی کی خودی محدود کا اصل مقصد بھی انکشاف ذات یا جو ہر خودی کی نمود ہے اس لیے لازم ہے کہ وہ مسلسل تحقیق، تخلیق، اختراع اور ایجاد کے عمل میں منہمک رہے اگر ایسا نہیں اور اس کی خودی بے نمود ہے تو اقبال کے نزدیک اس کا وجود نہ ہونے کے برابر یا مشتبہ ہے۔"(۶)

علامہ کا خیال ہے کہ انسان جب تک خدا کے قرب میں تھا تو خود سے آگاہ نہ تھا خدا سے جدائی کی بدولت ہی اس میں خودی کا احساس پیدا ہوا۔(۷)اقبال کے ہاں توحید کی فلسفیانہ تعبیر بھی کچھ اس طرح ہے کہ وہ اس سے مراد انسانی اتحاد، انسانی مساوات اور انسانی آزادی لیتے ہیں۔

جاوید اقبال کے مطابق اقبال تقدیر پرستی کے روایتی تصور سے بغاوت کرتے ہیں۔ان کے نزدیک ملت اسلامیہ کے زوال کا ایک سبب تقدیر کا غلط تصور بھی تھا۔اقبال کے تصورِ تقدیر کے متعلق بات کرتے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا مستقبل خود بنانا ہے خدا کی مشیّت یہ نہیں ہے کہ وہ جانے کہ انسان آگے کیا کرے گا اس کے علم میں ہے کہ انسان کے سامنے کتنے راستے کھلے ہیں لیکن وہ کونسا راستہ چُنتا ہے یہ اس کی مشیت نہیں ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو سزا اور جزا کا تصور ہی ختم ہو جائے۔انسانی قوتِ ارادہ سے متعلق اقبال کے خیالات کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مختصراً اقبال کا تصور یہی ہے کہ بحیثیت عقلِ کل خدا کو یہ سب تو معلوم ہے کہ کسی مسئلے کے حل کے لیے ہر انسان کے پاس کیا کیا یا کتنے طریقے موجود ہیں،مگر انسان بجائے خود اس مسئلے کو حل کرنے کی خاطر کون سا طریقہ چنے گا، یہ اس کے علم میں نہیں (بلکہ یہ جاننا اس کی مشیت میں نہیں، کیوں کہ وہ خود انسان کو قوت ارادہ اور ملکہ اختیار عطا کر چکا ہے) پس اقبال کے نزدیک انسان ایک وسیع

الممکنات مخلوق ہے ۔وہ اپنے لیے جو چاہے تقدیر اختیار کر سکتا ہے خدا نے اس کے سامنے بے حدوحساب تقدیریں رکھی ہیں ۔انسان کا ہر فیصلہ ایک تقدیر ہے جس کے انتخاب اور اختیار کا نفع اور نقصان اسے خود ہی اٹھانا پڑتا ہے ۔امکانات اور تقدیرات کا کارخانہ خدا نے انسان کے سامنے کھول رکھا ہے اور وہ اپنے لیے جس تقدیر کو چاہے چن سکتا ہے ۔''(۸)

اپنی کتاب ''مے لالہ فام'' میں مشہور اطالوی مستشرق بوسانی کے اقبال کے تصور شیطان پر لکھے گئے مقالہ کا ذکر کیا ہے ۔جس میں بوسانی نے اقبال کے شیطان کے پانچ پہلوؤں کی نشاندہی کی تھی ۔

شیطان حسن تدبیر اور عمل پیہم کے میدان میں بے مثال ہے دوسرا یہ کہ خدا تعالیٰ کی ضد ہے یعنی خدا خیر کا سرچشمہ تو شیطان شر کا منبع ہے تیسرا وہ کوتاہیوں کے باوجود عاشقِ توحید ہے اس نے ابدی فراق اور عذاب تو قبول کیا لیکن خدا کے سوا کسی کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چوتھا خدا نے آدم میں اپنی روح پھونک رکھی تھی اور اسے اشرف المخلوقات قرار دیا تھا مگر شیطان نے حسد کی آگ میں جلتے ہوئے اسے کوتاہ بیں، بے شعور اور جاہل کہہ کر پکارا گویا اپنی نسلی برتری کی متکبرانہ دلیل دی دوسرے لفظوں میں اس نے عشق کے مقابلے میں عقل کے گمراہ کن استدلال کو اہمیت دی اور پانچواں اہم پہلو شیطان کی سیاسی شخصیت ہے چونکہ وہ آدم کے خلیفۃ اللہ کی منزل تک پہنچنے کے رستے میں حائل رکاوٹ ہے اس لئے وہ آزادی جمہور کا سخت مخالف ہے ۔(۹)

انسانی قوتِ ارادہ کے متعلق اپنے ایک انگریزی مضمون میں لکھتے ہیں ۔

> Iqbal ifers from this Quranic version that man's First act of disobedíence was also his first exercise of the freedom of choice. There fore according to Iqbal, his earthly life is neither a punishment to atone the " origional sin" nor is this world "profane" . on the contrary, man equipped with knowledge and bestowed with the freedom to choose between right and wrong, is absoultely free to strive for higher stages of life.(10)

فلسفہ اخلاقیات جن امور سے نسبت رکھتا ہے ان میں اخلاقیات کے تشکیلی اصول، قدر و اقدار کے مباحث اور اعمال صالح یا نیک اعمال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔ جدید مغربی فلسفہ اخلاقیات میں انسان کے آزاد ارادے، انسانی حقوق، ضمیری خود مختاری، مسرت کی تحصیل پر بڑا زور دیا گیا ہے ۔اخلاقیات کے دائرے میں شخص یا فرد کے ضمیری معاملات، اس کے فرائض، اجتماع کے حقوق وغیرہ شامل ہیں ۔علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں مختلف موضوعات مثلا ارتقا، ثقافت، سیاست، مذہب، ریاست کے معاملات کے پس منظر میں اخلاقیات کے

فلسفیانہ تصورات سے بھی بحث کی ہے۔انہوں نے اس حوالے سے فرائڈ، یونگ، ڈارون وغیرہ کے نظریات کو بھی پرکھا ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب ''خطبات اقبال: تسہیل و تفہیم'' میں اقبال کے ساتوں خطبوں :۱۔علم اور مذہبی تجربہ،۲۔مذہبی تجربے کے انکشافات کا فلسفیانہ امتحان،۳۔خدا کا تصور اور مفہوم دعا،۴۔انسانی خودی، اس کی آزادی اور حیات بعد موت،۵۔اسلامی تمدن کی روح، ۶۔اسلام کے نظام میں حرکت کا اصول، ۷۔کیا مذہب کا امکان ہے؟(۱۱) کی وضاحت و تفہیم کے سلسلے میں علامہ اقبال کے فلسفہ اخلاق کو پورے طور پر مدنظر رکھا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال نے یونگ کے فلسفہ عمق کے حوالے سے جو تصورات دیئے ہیں ان سے اہل مغرب میں داخلی اور باطنی تجربات کی موجودگی کی تصدیق ہوتی ہے۔جہاں باطنی تجربات موجود ہوں وہاں خشک مادیت کے زیر اثر پیدا ہونے والے غیر اخلاقی اور بہت حد تک استحصالی نظام میں تبدیلی کی گنجائشیں موجود ہیں۔

اقبال نے واضح کیا ہے کہ دنیا میں انسان کو بھیجنے کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی شناخت کرے یا اپنی خودی کو پہچانے۔جس نے اپنی خودی کو پہچان لیا اس نے سماج میں کسی بھی نوع کے استحصال سے گریز کیا۔اقبال کا خیال ہے کہ میری منزل گہہ مجھ سے باہر نہیں ہے۔لیکن میں بے نصیب ہوں کہ مجھے رستہ نہیں ملتا۔

ازمن بروں نیست منزل گہہ من   من بے نصیبم راہے نہ یابم (۱۲)

وہ اپنے آپ سے غیر کے پیکر بناتا ہے تاکہ وہ لذت پیکار کو فروغ دے۔

سازد از خود پیکر اغیار را   تا فزاید لذت پیکار را (۱۳)

یہ لذت پیکار دنیاوی سماجوں میں جدلیاتی عمل کی نشو و نما کا باعث بنتی ہے۔اور یوں جہاں انسان کی روحانی شخصیت بالیدہ ہوتی ہے، وہاں وہ دنیا میں اصل انسانی محبت کے ایسے بیج بوتا ہے جو معاشرتی ناہمواریوں کو دور کرنے کی تمنا سے معمور ہوتی ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ

محبت اے دیدہ ور بغیر انجمن کے نہیں ہوتی   خود نگر محبت بغیر انجمن کے نہیں ہوتی۔(۱۴)

کشمکش حیات سے متعلق اقبال نہ ہی سائنسی نظریہ کے قائل ہیں جس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ وہی جاندار زندہ رہ سکے گا جو جسمانی طور پر توانا ہوگا اور نہ ہی ہندو یا بدھ مت کے نظریہ کے قائل ہیں جس میں کشمکش حیات شر یا بدی سے منسوب ہے اور انسان کی کامیابی فرار اختیار کرنے میں بتائی گئی ہے۔جاوید اقبال کہتے ہیں:

> ''اقبال کے نزدیک کشمکش حیات شر نہیں، بلکہ خیر ہے کیونکہ اس کشمکش میں حصہ لینے ہی سے انسانی خودی بیدار ہوتی ہے اور نشو و نما پاتی ہے۔پس کشمکش حیات کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی شخصیت کی تکمیل کے قابل ہو سکے۔۔۔۔انسان کا جو بھی عمل اس کی خودی کی حفاظت کرتا ہے وہ خیر ہے جو اسے ضعف پہنچاتا ہے وہ شر ہے فن ادب اور اخلاق کو خودی کی کسوٹی ہی پر پرکھا جا سکتا ہے۔''(۱۵)

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب ''افکار اقبال،تشریحات جاوید'' میں اقبال کے فلسفہ خودی کی وضاحت بہت عمدگی سے کی ہے ان کے خیال میں :فکر اقبال کا مرکزی نقطہ''خودی'' ہے۔ان کے باقی تمام افکار اسی کے گرد گھومتے ہیں کسی بھی مفکر کے افکار سے آگاہی کے لئے اس کے ماحول سے پوری طرح واقفیت ضروری ہے۔اقبال کے افکار سے بھی اسی صورت میں شناسائی ہوسکتی ہے جب ہم ان کے دور کو اچھی طرح سمجھ لیں۔اقبال کی پیدائش سے قبل بیشتر اسلامی دنیا سیاسی وتمدنی زوال کا شکار تھی۔ایسی صورت میں مسلمان قوم کے احیاء کے لئے ایسی فکر کی ضرورت تھی جو انھیں خاک سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دے۔انھیں نفی ذات سے اثبات ذات کی طرف لے آئے۔وہ غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ مطلق العنانیت،ملائیت،اور پیری مریدی کے ساتھ مسلمانوں کے ادب میں موجود تصور وحدت الوجود ان کے تنزل کی وجوہات تھیں پس کہا جاسکتا ہے کہ عملی زندگی سے فرار کے ماحول کے رد عمل میں اقبال نے اپنا تصور''خودی'' پیش کیا۔(۱۶)

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری　　　　اے کشتہ سلطانی وملائی وپیری(۱۷)

خودی کے لغوی معنی خودغرضی،خودبینی،تکبر اور سرکشی کے ہیں۔فارسی کے صوفی شعراء یہ لفظ انہیں معنوں میں استعمال کرتے تھے اسی لیے طریقت کے مراحل طے کرنے کے لئے ترکِ خودی کی تعلیم دی جاتی تھی۔اقبال نے اس لفظ کو نئے معانی دیے اس لفظ سے عرفانِ ذات اور شعورِ نفس مراد لیا۔یعنی ایک انسان جب اپنی حقیقت سے واقف اور مقصد زندگی پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔بے بسی اور عدم تحفظ کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔اقبال مسلمانوں میں یہی احساس پیدا کرنا چاہتے تھے انھوں نے خودی کے ثبات اور استحکام کے لئے چند اصول مرتب کئے بنیادی اصول نیا سے نیا مقصد پیدا کرنا،نئی آرزوئیں،نئی تخلیقات کرنا اور ان کے حصول میں درپیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنا۔زحمت اٹھانے کی عادت اور تصادم سے نہ گھبرانا،تسخیر کائنات اقبال کے ہاں سب سے بڑا مقصد قرار پایا۔خودی کی تربیت کے لئے تین مراحل پیش کئے اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ انسان آئین وقوانین کی پابندی کرے وہ حدود سے تجاوز نہ کرے،ضبط نفس سے انسان میں قوت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے اگلے مرحلے میں انسان خدا کے نائب کا اہل ہوجاتا ہے۔

اقبال کے مطابق جذبات کے تناؤ اور مسلسل چاہتے رہنے کا نام زندگی ہے جسے عالم ہوش اور بیداری کے ذریعے ہی قائم رکھا جاسکتا ہے۔مدہوشی،کاہلی اور مسلسل نینداس کے لئے موت ہے انسان کی جتنی اعلیٰ تمنائیں ہوں گی،جتنا بلند اس کا نصب العین ہوگا اتنا ہی اس کی حیات میں مضبوطی اور قوت آئے گی گویا اگر ایک انسان صاحبِ آرزو ہے تو اس کی خودی زندہ اور اگر وہ ذوقِ طلب سے محروم ہے تو زندہ لاش ہے احساس ذات کی بدولت ہی وہ اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکتا ہے اسی کی بدولت ہی اس پر تخلیق،اختراع اور ایجاد کے دروازے کھلتے ہیں پھر اس کی زندگی ارتقائی منازل طے کرتی ہے اور پھر وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جب اس کی مرضی خدا کی مرضی بن جاتی ہے(۱۸)　　چار اخلاقی اقدار جن میں عشق،فقر واستغنا،جرأت اور حریت شامل ہیں خودی کی مضبوطی کا

باعث بنتی ہیں۔عشق اقبال کے ہاں وسیع معانی رکھتا ہے یہ خدا،اس کے رسولؐ،قوم وملت،انسانیت یا نظریہ سے ہو سکتا ہے۔مزید یہ کہ روایتی معنوں سے ہٹ کر ہے مثلاً وہ وصال یار کو عشق کی انتہا نہیں سمجھتے وہ وصال کی بجائے فراق کو اہمیت دیتے ہیں یعنی اپنے اندر جذب کر لینے کی خواہش عشق ہے:

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی　　اللہ کرے مرحلہء شوق نہ ہو طے(۱۹)

فقر مادی آسائشوں اور سہولتوں سے لاتعلقی کا نام ہے۔اقبال کا فقیر دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔وہ اپنی خودی کی بیداری کی بدولت اپنے آپ کو نہایت قیمتی سمجھتا ہے۔اقبال نے غنی کاشمیری اور بوعلی قلندر کی مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ جب خودی عشق وفقر سے مستحکم ہو جائے تو فرد کا جلال تاج وتخت کو بھی لرزا سکتا ہے۔(۲۰)اقبال شاہین کی تشبیہ بار بار استعمال کرتے ہیں،ان کے خیال میں یہ پرندہ اسلامی فقر کی تمام خصوصیات رکھتا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق اقبال کے تصور فقر کی تلقین تو کی جاتی ہے لیکن یہ خیال ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا کہ غربت اور افلاس کو پہلے دُور کرنا ہوگا پھر فقر کی طرف آنا ہوگا۔امام غزالی کے خیال میں اگر پیٹ میں روٹی نہ ہوئی تو ایمان بھی نہیں رہے گا۔پہلے بنیادی ضرورتیں پوری ہوں گی پھر فقر آئے گا۔

جرأت زندگی میں نئے راستے ڈھونڈ نکالنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اس کا تعلق محض عسکری شجاعت سے نہیں بلکہ فکر وعمل سے بھی ہے۔اقبال کے نزدیک کمزور خود کو خدا میں گم کرتے ہیں جبکہ جرأت منداسے اپنے اندر سے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔خودی کے استحکام کے سلسلے میں چوتھی اہم اخلاقی قدر''حریت'' ہے اس سے مراد سیاسی یا معاشی آزادی نہیں بلکہ تقلید کی زنجیر سے آزادی ہے۔یہ جذبہ انسان کو تخلیق کی طرف مائل کرتا ہے۔حریت انسان کی تقلید سے نجات دلاتی ہے اسی طرح بعض منفی قوتیں جن میں نفرت،خوف،گدائی،بدعنوانی،بزدلی،نقالی،خوشامد اور موقع پرستی شامل ہیں خودی کی کمزوری کا باعث بنتی ہیں۔لیکن اقبال ان منفی خصلتوں میں سے بھی''نفی ذات'' کو خودی کی تباہی میں سب سے بڑا کردار سمجھتے ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا زوال جزواًغلامانہ اطاعت وعجز وانکساری جیسی منفی اور انفعالی نیکیوں کی بدولت ہوا ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال ہے کہ ہم نے اقبال کے تصور خودی کو دل سے قبول نہیں کیا ہم اسے مارتے رہتے ہیں شاید ہم اللہ کی نگاہ میں معتوب ہو چکے ہیں،وقت ضائع کرتے ہیں،تخلیق کی طرف نہیں جاتے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے''شذرات فکرِ اقبال'' کے عنوان سے علامہ اقبال کی متفرق تحریروں کو مرتب کیا جو انھوں نے اپنی ایک بیاض میں تحریر کی تھیں ان کی مدد سے آرٹ،فلسفہ،ادب،سائنس،سیاست اور مذہب سے متعلق اقبال کے خیالات سے خاطر خواہ آگاہی ہوتی ہے۔اقبال نے اپنی اس قلمی بیاض کو "A stray reflections" کا عنوان دیا تھا۔جس کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ مشہور اقبال شناس ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے کیا ان تحریروں میں ربط وتسلسل کا فقدان ہے کیونکہ یہ کسی با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت قلم بند بھی نہیں کی گئی تھیں۔اس بیاض میں لکھی گئی تحریریں 1910ء میں شروع کی گئیں کافی عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا پھر نہ جانے کیوں ختم کر دیا۔یہ وہ دور ہے جب

اقبال یورپ سے پی ایچ۔ڈی اور بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آ چکے تھے ہندوستان کے حالات وواقعات نے انھیں ذہنی خلفشار سے دوچار کر رکھا تھا ان دنوں وہ شاعری میں کم دلچسپی لے رہے تھے۔

بیاض میں ایک جگہ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ دوران تعلیم میں وڈز ورتھ نے انھیں دہریہ ہونے سے بچا لیا۔دراصل ذہنی ارتقاء کے اس مرحلے میں اقبال نظریہ وحدت اُلوجود کے قائل تھے۔بعد میں ان کے ذہن کی کایا پلٹی اور وہ مسلم قومیت کے اولین داعی بن گئے اس بیاض میں علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفے کے اہم ترین تصورات کے ابتدائی نقوش دیکھے جا سکتے ہیں۔ان کے نظریہ تاریخ سے بھی واقفیت ہوتی ہے کہ کسی قوم کے رُوحانی اور فلسفیانہ تصورات زیادہ تر اس کے سیاسی ماحول کے ترجمان ہوتے ہیں۔ڈاکٹر جاوید اقبال کتاب کے تعارف میں اقبال کے خیالات سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے نزدیک زندگی جہد پیہم کا نام ہے۔لہذا ان کی رائے میں تعلیم کا مقصد محض ذہنی برتری کی تربیت کی بجائے کشمکش حیات کی تیاری ہونا چاہیے۔وہ اکثر قوت کی ضرورت اور قوی انسان کی اہمیت کا ذکر کرتے ہیں ان کے نزدیک تخلیقی عمل میں مصروف گنہگار بے حس پاک بازوں سے بہتر ہے''(۱۹)

خودی کا اپنے اور دوسروں کی خاطر اپنے حسن وکمال کا اظہار کرنا فن کہلاتا ہے۔اقبال کو فطرت کی غلامی سے نجات دلانے کے متمنی ہیں اور یہ آزادی فن کی عظمت وبقائے دوام کا راز لئے ہوئے ہے جبکہ غلامی خواہ وہ فطرت کی غلامی ہو یا دنیا کی،فن کی پستی اور ذلت کی نشانی ہے۔غلامی کی موسیقی روح کی موت کا باعث اور مصوری ہلاکت کی نقیب بن جاتی ہے۔اقبال کے نزدیک فن حسن وکمال کا مرقع ہوتا ہے جو سُرور انگیزی کا باعث بنتا ہے جب کہ ایسا فن جو افسردگی پیدا کرے،اقبال کے نزدیک فن ہی نہیں۔ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

> ''بقول اقبال ارفع آرٹ وہی ہے جو قوم کی خوابیدہ قوت عزم کو بیدار کرے اور زندگی کی آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ترغیب دے مگر وہ سب کچھ،جس کے اثر سے ہم اونگھنے لگیں یا حقیقت سے ہمیں فرار کی راہ ملے،انحطاط اور موت کا پیغام ہے آج کے مسلم معاشرے،آرٹ یا فنون لطیفہ کے اس تصور سے شاید ابھی بہت دور ہیں۔''(۲۱)

اس پس منظر میں خدا آشنا معاشروں میں جس نوع کی اخلاقی اور جمالیاتی اقدار فروغ پاتی ہیں اور ان میں اقبال کا تصورِ رُوحانی جمہوریت کی منزلوں کو چھونے لگتا ہے۔نئے دور میں صالح جمہوریت کا قیام بھی ان کے سامنے ایک حقیقت کا رُوپ دھار لیتا ہے۔اس حوالے سے ترکی میں خلافت کی جگہ جمہوریت کا تجربہ اقبال کی توجہ اسلام کے اخروی ریاستی نظام کی جانب مبذول کرتا ہے۔یہ نظام ملوکیت،ڈکٹیٹر شپ،مغربی جمہوریت،سرمایہ داری اور بے دین اشتراکیت سے کسی قسم کی کوئی نسبت نہیں رکھے گا۔اس نظام کی بنیاد لا الہ کے تصور پر استوار ہوگی۔اس تصور کی بنیاد خدا سے دُور مادی نظاموں سے گریز پر استوار ہوگی۔علامہ اقبال کی مابعد الطبیعیات بھی اپنے اندر وحدت کا

اصول رکھتی ہے۔وہ خدا کے تابع ایک ایسے عالمی نظام کا خواب دیکھتے ہیں جس میں ہر عمل خدا کی خوشنودی کے لیے ہوگا اور خدا کی خوشنودی میں خدا کی پیدا کردہ مخلوق سے محبت اولین شرط ہے۔اس پس منظر میں جس مادی نظام کی بنیادیں استوار ہوں گی اس میں انسان دوستی خدا شناسی کی منزل تک پہنچنے کے لیے اصل اصول کا درجہ رکھے گی۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے ایک مقالہ ''اقبال اور ندرت فکر'' میں بڑی عمدگی سے اقبال کے افکار کا احاطہ کیا ہے۔اقبال ندرتِ فکر وعمل کو بڑی اہمیت دیتے تھے ان کے خیال میں ندرت فکر وعمل سے ہی مسلمانوں کے بے جان جسم میں روح پھونکی جا سکتی ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے مسلمانوں میں آزادی،قوت اور شوکت لازمی شرائط تھیں۔غلامی کے دور میں مغرب سے درآمد شدہ نظریات جیسے نیشلزم،پیٹریاٹزم،سیکولرازم کانسٹی ٹیوشنلزم اور سوشلزم نے مسلمانوں کے ذہنوں کو منتشر کر دیا تھا۔ایسے میں علامہ نے اپنی بصیرت سے مسلمانوں کی رہبری کی انھیں بتایا کہ ان کے مسائل کا حل خون جگر اور کوشش پیہم میں مضمر ہے اقبال کے سامنے پیغام محمدﷺ تھا۔جو منتشر مسلمانوں کو مشترک روحانی تمنا کی بنیاد پر منسلک کیے ہوئے تھا۔علامہ نے صنم کدہ مغرب کے درج بالا بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ کانسٹی ٹیوشنلزم کے مغربی تصور میں حاکمیت بظاہر عوام کی ہوتی ہے جبکہ حقیقت میں اختیار چند گنے چنے افراد کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جو کمزوروں اور بے نواؤں کے حقوق پامال کرتے ہیں۔سیکولرازم سے مراد ریاست کے اندر ہر شہری کی بلاتمیز مذہب ونسل آزادی لی جاتی ہے جب کہ حقیقت میں سیکولر ہونے کی دعویٰ دار ریاستوں میں ایسی فضا دیکھنے کو نہیں ملتی بلکہ بعض اوقات نفرت وحقارت کے ایسے مظاہر سامنے آتے ہیں کہ انسانیت شرما جائے پیٹریاٹزم کا مغربی تصور دھرتی ماتا کی پرستش کے قریب ترین ہے علامہ نے مسلمانوں کو احساس دلایا کہ سنت نبویﷺ میں تو اپنے دینی تصورات کے تحفظ اور بقا کے لئے ''ترک وطن''،ہی وطن کا اصل تصور ہے

ڈاکٹر جاوید اقبال فرماتے ہیں:

> ''اقبال نے مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ نیشنلزم کے مغربی تصور نے نسل،رنگت،زبان،اور جغرافیہ کی بنیاد پر انسانوں کی گروہ بندی سے ان میں اتحاد کی بجائے انتشار پیدا کیا ہے۔جب کہ اسلام انھیں ایک جگہ منظم اور مضبوط کرتا ہے'' سوشلزم بظاہر مساوات کا نعرہ بلند کرتا ہے۔لیکن ساتھ ہی انسان کے انفرادی حق آزادی کو تسلیم نہیں کرتا۔(۲۲)

علامہ اقبال نے مسلم قومی تشخص کی بازیافت اور اس کی عہد حاضر کی علمی ترقیوں اور عملی ضرورتوں سے مطابقت کے مسائل پر اپنی تخلیقات وخطبات میں فلسفیانہ انداز سے بطریق احسن اظہار رائے کیا ہے۔اس مسئلے پر ڈاکٹر جاوید اقبال نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی جس کا ترجمہ سید قاسم محمود نے ''اسلام اور پاکستانی تشخص'' کے عنوان سے کیا ہے۔اس کتاب میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے اسلام میں قومیت اور ریاست کے تصورات،عہد نبویؐ کی ریاست کا نمونہ ،جمہوری خلافت کا نمونہ،سیاسی نصب العین کی تحریف وتخریب،فقہا،ماہرین اخلاقیات اور فلاسفہ کی آرا،ہندوستان میں مسلم مقتدر ریاست،عربوں کا تسلط،سلطنتِ مغلیہ سے پہلے،مغل شہنشاہ،عسکریت پسند ''وہابی'' اسلام کا

عروج،مسلمانانِ ہند اور مغرب،تحریک خلافت، ہندوستان میں فرقہ واریت کا مسئلہ، نئے معاشرتی و سیاسی اُفق کا خواب،اقبال کا تصور جدید اسلام،سیکولرازم کے بارے میں اقبال کا نقطۂ نظر،مسلم انڈیا کی سیاست میں اقبال کا کرداراور مسلم ریاست کاظہور کے موضوعات پر سیر حاصل تحقیق و تدقیق کی ہے۔اس میں مسلم انڈیا کی سیاست اور اقبال کے کردار پر ایک مسلم ریاست کی تشکیل وظہور کے پس منظر میں سیر حاصل مباحث رقم ہوئے ہیں۔ان موضوعات کی تفصیل کا احاطہ کرنے کے لیے ایک علحدہ مقالے کی ضرورت ہے تاہم یہاں ڈاکٹر جاوید اقبال کی چند باتوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔مثلاً ان کے نزدیک جدید دور میں مسلم دنیا میں موجود عسکریت پسندی اور انتہا پسندی ایک اہم رجحان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہندوستان میں ''تحریک مجاہدین'' جسے وہابی اسلام کا نام بھی دیا جاتا ہے اسی عسکریت پسندی کی نمائندہ تحریک مانی جاتی ہے۔اسی طرح تحریک خلافت جوایک بڑی سیاسی تحریک تھی اور اس نے مسلم معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے خاص طور پر ہندوستان میں جداگانہ قومیت کے تصور کے فروغ میں اس تحریک کا بنیادی کردار ہے۔اقبال کے مطابق یہ دونوں تحریکیں عملی طور پر اسی لیے ناکام ہوئیں کہ تقلیدی فکر کا نتیجہ تھیں۔ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال ہے کہ تحریک پاکستان کی کامیابی کی بڑی وجہ بانیان پاکستان کی اجتہادی سوچ تھی۔ لکھتے ہیں:

> ''تحریک پاکستان'' کی کامیابی کا سبب بانیانِ پاکستان کی ''اجتہادی'' سوچ تھی۔اس دور کی نمائندہ آواز اقبال کی آواز ہے جسے جدید اسلام کا ایک بڑا اور موثر نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔سیکولرزم، قومیت اور ریاست کے بارے میں اقبال کے افکار کا ہماری ملی زندگی کے ساتھ براہِ راست تعلق بھی ہے اور ان کا ہماری ملی زندگی کی صورت گری میں ایک نمایاں کردار بھی ہے۔اقبال کے اس کردار ہی کا ایک نتیجہ پاکستان کی صورت میں مسلم ریاست کا ظہور ہے جو کئی صدیوں کی عملی اور فکری سطح پر جاری رہنے والی مسلسل جدوجہد کا ایک ایسا ثمر ہے جس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں اپنی الگ قومیت اور تشخص کو بقا دینے کی امنگ اور آرزو کا اظہار ہوتا ہے۔یہ کتاب اسی آرزو کے پس منظر اور مستقبل میں اس کی صورت گری کے امکانات کا احاطہ کرتی ہے۔''(۲۳)

دیگر بانیان پاکستان کی طرح اقبال بھی اجتہادی اسلام کے داعی تھے۔ان کے مطابق زمانے میں تغیر کو ہی ثبات حاصل ہے۔اسلام میں عبادات کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا لیکن معاملات کو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔اقبال کا خیال تھا کہ اجتہاد کا اختیار پارلیمنٹ کے پاس ہونا چاہیے۔اقبال نے سید سلیمان ندوی کو لکھے گئے خط میں دریافت کیا کہ جب مدینہ میں قحط پڑا تو حضرت عمر نے ہاتھ کاٹنے کی سزا رد کر دی تھی تو ایسا انھوں نے کس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کیا تھا؟ جواب میں سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ یہ حضرت عمر کا اجتہاد تھا کیوں کہ جو حکومت روٹی کا مسلہ حل نہ کر سکے وہ ہاتھ کیسے کاٹ سکتی ہے۔

ان کا خیال ہے کہ اسلام میں ریاست ہمیشہ ارتقائی عمل سے گزرتی رہی ہے۔اس کے سیاسی اور قانونی نظام

ایک دوسرے سے مختلف رہے ہیں چونکہ ایک اسلامی ریاست صرف اُسی صورت میں ''اسلامی'' کہی جا سکے گی جب اُس میں شریعت کا نفاذ ہوگا۔اسی لیے عہدِ نبوی میں چند راہنما اصول متعین ہونے کے باوجود سیاسی لحاظ سے ریاست کو حرفِ آخر اور مکمل چیز نہیں سمجھا گیا۔ بعد میں سامنے آنے والے جمہوری دور اپنے ساتھ آئینی حکمرانی کے مختلف تجربے بھی لائے جسے انتخاب' نامزدگی' انتخاب بذریعہ محدود حلقہ انتخاب' استصواب رائے اور غصب اقتدار جیسی مطلق العنان ملوکیت کو جنم دیا تھا۔اقبال خلیفہ یا امام کے تمام اختیارات کو جمہوری طریقے سے منتخب اسمبلی کو منتقل کرنے کے حق میں تھے۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق:

''عصرِ حاضر میں عہدِ نبویؐ یا خلافتِ راشدہ کے نظام ہائے حکومت کی دوبارہ تخلیق ممکن نہیں۔ بے شک بعض مذہبی انتہا پسندوں کے نزدیک ایسے نمونوں پر اسلامی ریاست کا قیام باعثِ اطمینان ہوسکتا ہے جن میں ''شوریٰ'' صاحب اقتدار کے لیے محض ایک مجلسِ مشاورت کی حیثیت رکھتی ہے وہ چاہے شوریٰ کا فیصلہ قبول کرے اور چاہے نہ کرے۔لیکن ایسی ریاست مسلمانوں کے لیے اُن مسلم ممالک میں قابلِ قبول نہ ہوگی، جہاں حکومت ''مخلوط قوانین'' (خدا کے بنائے ہوئے قوانین اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین) کے تحت چلائی جا رہی ہو۔مخلوط قوانین کی اس اُلجھن کے پیشِ نظر بانیانِ پاکستان (بالخصوص اقبال) کو احساس ہوگیا تھا کہ شرعی قوانین کی تعبیرِ نو کے لیے پارلیمنٹ میں ''اجتہاد'' کے ذریعے جدیدیت کا عنصر شامل کرنا پڑے گا۔ترکی اور مسلم انڈیا میں ''رجعت پسندی'' کا مسئلہ دو مختلف طریقوں سے حل کیا گیا۔ترکی میں کمال اتاترک نے ترکوں کی مذہبی زندگی سے علما کا اثر و کردار ختم کردیا۔مسلم انڈیا میں سرسیّد اور اقبال جیسے مصلحین نے ایک اور راہ اختیار کی۔اُنھوں نے ایسے فاضل اسکالروں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جو علما کے ایک نئے گروہ کی شکل میں سامنے آئے،جنھوں نے اسلام کی تعبیر وسیع النظری،تحرک انگیز اور عقلی طریقے سے کی اور اسے ایک نئے مسلم معاشرے کی خدمت میں پیش کیا،جس کے بارے میں اُن کا خیال تھا کہ اس میں زندگی کا جدید نقطۂ نظر پھلے پھولے گا۔''(۲۴)

اقبال نے اپنی شاعری میں کئی جگہ پر جمہوریت پر طنز کیا ہے ان کا خیال تھا کہ اس طرزِ حکومت میں ایک دو ووٹوں سے نااہل شخص اہل بن سکتا ہے۔دوسرا ان کے ذہن پر سرسید احمد خاں کے جمہوریت کے متعلق خیالات کا اثر بھی تھا سرسید کی پیروی میں وہ سمجھتے تھے کہ اگر مغرب جیسی اصلاحات ہندوستان میں ہوئیں تو مسلمان خسارے میں رہیں گے دلچسپ بات یہ ہے کہ نثر میں اقبال نے کسی بھی جگہ جمہوریت پر اعتراض نہیں کیا اس سلسلے میں وہ فارابی سے متاثر تھے۔جن کا خیال تھا کہ جمہوریت ہی دراصل پیغمبر اسلام ﷺ کے نظام کے قریب تر ہے۔جس میں مشورہ سے کام کرنے کا کہا گیا ہے۔

ایک مرتبہ علی گڑھ میں اقبال نے ''روحانی جمہوریت'' کی اصطلاح بھی استعمال کی اور کہا کہ اسلام کا

اصل مقصد روحانی جمہوریت کا قیام ہے۔لیکن اسکی تفصیل بیان نہ کی ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال ہے کہ ان کے سامنے مسلمانوں کی پہلی ریاست کا نقشہ تھا جس میں ریاست کے امام نبیﷺ تھے ،دوسرا ریاست مدینہ جس کی بنیاد مہاجرین اور انصار کے درمیان مشترک روحانی بنیادوں پر استوارتھی اقبال کے سامنے تھی ان کے اس تصور کی بنیاد توحیداور رسالت پر ہونے کی وجہ سے اس میں نمائندگی کے حق دار شاید وہ ہو سکتے ہیں جن کے ساتھ لوگوں کو محبت ہو،لوگ انھیں چاہتے ہوں اور فرط محبت میں ان کی اطاعت کرتے ہوں۔

ایسی صورت میں عین ممکن ہے کہ ایسے لوگ جن سے لوگ محبت کرتے ہوں سامنے آنے سے ہی انکار کردیں حضرت علیؓ کے قول کے مطابق بھی جو شخص اپنے آپ کو خود سرداری کے لیے پیش کرے وہ اچھا یا مخلص سردار نہیں ہے۔ایسا اس صورت میں ممکن ہے جب حکومت کو حکمرانی کی بجائے ''خدمت'' میں بدل دیا جائے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال ہے کہ فلاحی ریاست کے متعلق اقبال کے جو نظریات تھے ان پر بہت کم توجہ دی گئی ہے انھیں محض ایک بُت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

اقبال نے اپنی مختلف نظموں میں زمین کو خدا کی ملکیت قرار دیا ہے۔جاگیردار یا دہ خدا کے متعلق ان کی رائے ہے کہ وہ اتنی ہی زمین کا حقیقی مالک ہے جتنی اس کو قبر کے لیے چاہیے۔کاشتکار بھی اتنی ہی زمین رکھ سکتا ہے جتنی وہ خود کاشت کر سکے۔حکومتی ملکیتی رقبہ کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ زمین بھی کاشتکاروں کو قسطوں پر کاشت کے لیے دینی چاہیے۔اقبال مغرب جیسی ترقی دیکھنے کے خواہش مند تھے ان کے مطابق ایسا کرنا غیر اسلامی تمدن مستعار لینا نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ وہ روشنی ہوگی جو ہم نے ہی مغرب کو دی تھی۔جاوید نامہ میں اقبال کے مطابق خدا کہتا ہے جو مسلمان تخلیقی نہیں ہے اس نے ہمارے جمال میں سے حصہ نہیں لیا۔

اقبال نے اپنے خطبات میں مسلمانوں کے زوال کے تین اسباب بیان کیے تھے جو ملوکیت ،ملّا یت اور پیری مریدی تھے۔اقبال نے کہا تھا کسی نہ کسی صورت میں ملوکیت رہے گی اور اسے مُلا کی حمایت حاصل ہوگی۔جدید تعلیم کے حصول سے ہی ان مسائل سے نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال ہے کہ اقبال زندگی کے آخری سالوں میں کچھ مزید کام کرنے کی خواہش رکھتے تھے مثلاً وہ واقعہ کربلا پر ہومر کی طرح کی مثنوی، جاوید نامہ میں کچھ ارواح کا اضافہ،قرآن مجید کے متعلق ایک کتاب جس کا عنوان بھی انھوں نے سوچ رکھا تھا۔(Quran as i understand)اور جس کا ذکر انھوں نے صوفی تبسم کو لکھے گئے خط میں بھی کیا،اسی طرح ارتقاء کے تصور اور اجتہاد پر بھی تفصیلاً لکھنا چاہتے تھے لیکن زندگی نے مہلت نہ دی اور یہ منصوبے مکمل نہ ہو سکے۔

حواشی:

۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء) ص ۱۲

۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۶۰

۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۵۷

۴۔ ایضاً۔ص ۶۳

۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، (تلخیص) محمد سہیل عمر، طاہر حمید تنولی، اقبال اکادمی، پاکستان ۲۰۱۲ ص ۳۱۶

۶۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۶۱

۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مے لالہ فام، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1996 ص ۲۰۱

۸۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۸۷، ۸۸

۹۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مے لالہ فام، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1996 ص ۱۷۷

۱۰ (Essays 0f Dr, Javid Iqbal, studies in Iqbal"s thought and phiolosphy, iqbal Academny pakistan 2012)

۱۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء) ص ۳

۱۲۔ کلیات اقبال (فارسی)، زبور عجم، ص ۴۲۲

۱۳۔ کلیات اقبال (فارسی)، اسرار خودی، ص ۱۳

۱۴۔ کلیات اقبال (اردو)

۱۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۱۵، ۱۶

۱۶۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۱۳

۱۷۔ کلیات اقبال (اردو)

۱۸۔ جاوید قبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۱۷، ۱۶

۱۹۔ کلیات اقبال (اردو)

۲۰۔ (شذرات فکر اقبال مجلس ترقیِ ادب، لاہور ۱۹۷۳ ص ۵۹)

۲۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، اقبال اور ندرت فکر، علامہ اقبال انشورنس فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۷۰ ص ۷

۲۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۴۷

۲۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، اسلام اور پاکستانی تشخص، ترجمہ، سید قاسم محمود (لاہور: اقبال اکادمی) ص ۲، ۳

۲۴۔ ایضاً ص ۳۹۴،۳۹۳

مآخذ:

۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال، تسہیل و تفہیم، ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ، ۲۰۰۸ء۔

۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر۔ افکار اقبال۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء۔

۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، (تلخیص) محمد سہیل عمر، طاہر حمید تنولی، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۲۔

۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مے لالہ فام، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۶ء۔

۵۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء۔

۶۔ علامہ اقبال۔ شذراتِ فکرِ اقبال۔لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۱۹۷۳ء۔

۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر۔ اقبال اور ندرت فکر۔لاہور: علامہ اقبال انشورنس فاونڈیشن،

۸۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر۔ اسلام اور پاکستانی تشخص، مترجمہ سید قاسم محمود۔لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۸ء۔

9. Javed Iqbal. *Essays Of Dr. Javid Iqbal: Studies in Iqbal"s Thought and Phiolosphy.* Lahore: Iqbal Academy, 2012.